اسلامی فلاحی ریاست کا قیام

* ڈاکٹر محمد حمید اللہ

[علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی تاریخ میں ۲۸/اپریل ۱۹۹۲ء ایک بابرکت اور قیمتی دن تھا جب عالم اسلام کے نامور محقق، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب یونیورسٹی میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے اسلامی فلاحی ریاست کے قیام سے متعلق چند زریں کلمات ارشاد فرمائے چونکہ اُس وقت کے صدر مملکت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی ملاقات پہلے سے طے شدہ تھی اور ڈاکٹر صاحب کے پاس وقت بہت قلیل تھا اس لیے آپ نے نہایت مختصر اور اشاراتی گفتگو فرمائی۔ اس مختصر گفتگو میں ڈاکٹر صاحب کا نکتہ ارتکاز فلاحی ریاست میں عوام اور حکمرانوں کی ذمہ داریوں سے متعلق تھا فلاحی ریاست کے ان دونوں طبقوں کی اخلاقی تربیت، آپ کے نزدیک نہایت اہم معاملہ ہے بلکہ آپ کے خیال میں اخلاق حسنہ ہی اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد ہے۔ ریاستی ذمہ داروں اور عوام کے دلوں میں خوف خدا کا نہ ہونا، اخلاقی گراوٹ اور پستی کی علامت ہے۔ آپ کے خیال میں جب تک یہ علامت موجود رہے گی تب تک کوئی آدمی بھی اپنی ذمہ داریوں کو بر لانے کا خیال نہیں کرے گا۔ نتیجتاً تمام تر وسائل کے باوجود فلاحی ریاست کا قیام ممکن نہ ہو سکے گا۔ دوسری طرف اگر حکمرانوں اور عوام کے دلوں میں خوف خدا ہے تو اپنی ذمہ داریوں کا خیال رکھیں گے اور خدمت کے جذبہ سے کام کریں گے لہذا باوجود کم وسائل کے، اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اسلامی فلاحی مملکت اُس کو کہیں گے جس میں اُس کی رعایا کے جان، مال، عزت و آبرو کے تحفظ کا خاطر خواہ انتظام موجود ہو۔ ریاستی دفاع کے لیے ملکی فوج کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے آپ کے خیال میں ملک کی فوج کا طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ نظم وضبط کا پابند ہونا بھی ضروری ہے۔ تقریر کے اختتام پر سامعین کی طرف سے سوالات بھی پیش کیے گئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے ان کے جوابات دیئے۔ شاہ معین الدین ہاشمی، لیکچرر، شعبہ حدیث وسیرت نے ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کو ٹیپ سے منتقل کیا۔ مدیر]

﴿متن تقریر﴾

اساتذہ کرام، علماء کرام، عزیز خواہران و برادران محترم اور عزیز طلبہ، یہ میرے لیے ایک شرف کا باعث ہے کہ آپ کے ہاں مجھے دعوت دی گئی۔ میں پہلی دفعہ اس یونیورسٹی کے نام سے واقف ہوا ہوں۔ تین چار دن پہلے تک مجھے اس نام سے واقفیت نہیں تھی جس سے معلوم ہوا کہ میں کتنا جاہل شخص ہوں۔ میرا قصور معاف کریں۔ بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ کے شہر میں اب ایک نہیں تین یونیورسٹیاں ہیں گو کہ میں اس سے زیادہ متاثر نہیں اس لیے کہ شہر پیرس میں کوئی بیس یونیورسٹیاں ہیں۔ اس لحاظ سے مجھے یہ کوئی بڑی چیز نہیں معلوم ہوتی، لیکن اسلامی ممالک سے مقابلہ کریں تو یہ ایک بڑی چیز ہے کیونکہ کم اسلامی ملکوں میں ایک ہی شہر میں ایک سے زیادہ یونیورسٹیاں پائی جاتی ہیں۔ وقت چونکہ کم ہے اس لیے اصل موضوع کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

جو موضوع مجھے دیا گیا ہے وہ مشکل ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ ہم میں سے ہر آدمی کی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرقی ہو یا مغربی، ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ فلاں چیز ہو لیکن اگر خود اُس کو ذمہ دار بنایا جائے تو وہ اس کام کو نہیں کر سکتا۔ دوسرے الفاظ میں حکومت یہ ضرور چاہے گی کہ رعایا کی فلاح کی سہولتیں ہوں لیکن اس میں جو دشواری پیدا ہوتی ہے وہ وسائل کی ہے۔ ایک ملک اگر بہت مالدار ہو تو اس کے پاس وسائل زیادہ ہوتے ہیں لیکن جو ملک مقابلۃً فقیر ہے وہ اپنی خواہش کے باوجود اپنی خواہشات کو بر نہیں لا سکتا۔ لیکن میں اس کو زمانہ حال کی بجائے اوپر لے جاتا ہوں عہد رسالت تک۔ کیونکہ میرے نزدیک اسلام کی ہر چیز رسول اکرم ﷺ کی اِتباع کے مطابق ہو تو ہی قابل قبول ہے۔ اس سے کوئی اہمیت نہیں کہ اسلامی حکومت کا رقبہ کتنا ہو؟ اُس کی فوج کتنی ہو۔ اس میں کتنے ہوائی جہاز ہوں۔ مقابلۃً عہد نبوی ﷺ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا آغاز ہوتا ہے تو فلاحی مملکت ہی کے لیے ہوتا ہے، لیکن جب ہم اس کی تیئس ۲۳ سالہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ بتدریج ہوتے ہیں۔ پہلے دن ہی سے وہ ساری چیزیں مسلمانوں میں نظر نہیں آتیں جو کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت نظر آتی ہیں، مثلاً ایک بہت چھوٹی چیز لیجئے کہ اسلام کے جو اصل ارکان ہیں شہادت توحید و رسالت کے علاوہ وہ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ ہیں۔ یہ چاروں ارکان ایک وقت میں مسلمانوں پر نافذ نہیں کیے گئے۔ اُن کے احکام ایک وقت نازل نہیں ہوئے۔ اوّلاً ایک چیز آتی ہے، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر بالآخر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حجۃ الوداع میں جو

آیت مبارکہ نازل ہوئی اور جس پر مسلمان ہی نہیں غیر مسلموں کو بھی بہت تأثر ہوتا ہے۔ارشاد باری تعالٰی ہے۔

﴿ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَ رَضِیتُ لَکُمُ الاسلَامَ دِیناً ﴾ (۱)

''کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر لیا اور تم پر اپنی نعمتیں مکمل کر لیں اور تمہارے لیے اسلام کا جو دین دیا گیا ہے اُس سے میں بہت خوش ہوں، میں راضی ہوں''۔

میں ابھی کہہ رہا تھا کہ اس آیت سے غیر مسلم بھی متاثر ہوتے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اُن کے پاس ایک یہودی آتا ہے اور کہتا ہے!''اے امیر المؤمنین تمہارے قرآن میں ایک واقعہ کا ذکر ہے اگر وہ ہم یہودیوں کے متعلق ہماری دینی کتابوں میں ہوتا تو ہم اسے ایک دن مناتے ایک عید مناتے تو حضرت عمرؓ میں Curiosity تھی۔پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے اِسی آیت کو دوہرایا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں واقف ہوں، کس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہمارے لیے عید ہے۔(۲) ہم اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں چنانچہ وہ آیت نازل ہوئی عیدالاضحٰی کے موقع پر یعنی حج کے موقع پر، جو ہماری بڑی عید ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ فرانسیسی زبان میں روزہ توڑنے کی عید اور بڑی عید، دو نام استعمال ہوتے ہیں۔عید کبیر کا ترجمہ ہم نے ''بڑی عید'' کیا ہے۔اور وہ اسی حج کے متعلق ہے۔اس معنی میں شاید کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان اس میں شریک ہوتے ہیں۔ویسے عید الفطر کے موقع پر شہر کے لوگ اور شہر کے اردگرد کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ان موضوعات کی مزید تفصیل میں جانے کا وقت نہیں۔

اصل میں عرض کرنا یہ ہے کہ فلاحی حکومت ایک آئیڈیل چیز ہے اور عہدِ نبویﷺ کے زمانہ ہی سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔چنانچہ ایک چیز ہمیں نظر آتی ہے کہ ایک طرف انسان کو آزادی دی جائے لیکن دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ اللہ کا ڈر اُس کے اندر پیدا کرنا چاہیے۔آدمی پولیس کے،حکومت کے،عدالتوں کے خوف سے،شرارتوں سے باز نہ آئے بلکہ اللہ کے ڈر سے باز آئے۔جب رعایا میں یہ جذبہ پھیل جائے کہ مجھے صرف اللہ سے ڈرنا ہے۔وہ بھی

اس طرح کہ اللہ کی ناانصافی سے نہیں بلکہ اللہ کے انصاف سے ڈرنا ہے۔ میں شاید ایسے واضح کروں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (صحیح بخاری وغیرہ میں یہ حدیث ملتی ہے) کہ اگر اللہ حساب کتاب کے دن آخرت میں نرمی سے کام نہ لے۔ بلکہ ہر چیز کی گویا شدت کے ساتھ نگرانی رکھتے ہوئے حساب لے تو کسی شخص کو نجات نہیں ملے گی۔ ایک صحابی نے جرأت کی۔ اُٹھ کر پوچھا ''یارسول اللہ ﷺ کیا آپ کو بھی'' تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہی ہے اگر اللہ نرمی نہ کرے حساب لینے میں تو میری بھی نجات ممکن نہیں (۳) کیونکہ ہم انسان ہیں۔ کمزور ہیں۔ بشر ہیں۔ تو عرض کرنا ہے کہ اسلام میں ایک طرف رعایا کی سہولتیں زیادہ سے زیادہ پیدا کی جائیں یہ نظریہ ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ڈسپلن کا جذبہ بھی ہے وہ یہ کہ رعایا کو آزادی ملے تو شرارتیں کرنے کی آزادی نہ ہو۔ بلکہ اچھے کام کرنے کی سہولتیں ہوں۔ اس میں جذبہ ہو کہ میں زیادہ سے زیادہ اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں کی خدمت کر سکوں۔ بہر حال عرض کرنا صرف یہ ہے کہ جہاں تک فلاحی حکومت، فلاحی مملکت کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں اس میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں۔ زمانہ حال کی مثلاً فرنگی حکومتوں کو لیں یا اسلامی حکومتوں کو یا غیر مسلم دیگر حکومتوں کو لیں، ان میں سے کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہوگا۔ ہمارے خیال میں ہماری رعایا کی فلاح، ہماری رعایا کی سہولت وآسائش کی ہم زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ لیکن اس خواہش کو بَر لانے کے وسائل ہر شخص کے پاس نہیں ہوتے۔

بہر حال شاید میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ رعایا کی اور آسائشوں میں سے ایک اُس کا امن اور خطرے سے محفوظ رہنا ہے۔ اگر مجھے بڑی رقم ملتی ہے لیکن مجھے وہ چیزیں نہیں ملتیں جس کی میں خواہش کرتا ہوں تو بھی وہ رقم بے کار ہوگی۔ مثال کے طور پر آج کل کے روس کو لیجیے کہ جہاں کھانے پینے کی چیزیں بھی نہیں ملتیں۔ اگر بہت روپیہ بھی میرے پاس ہو تو میں وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسرے الفاظ میں رعایا کو امن وآسائش اور بیرونی واندرونی خطرات سے محفوظ رہنا اس کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں ضرورت ہوگی کہ خرچ کریں مثلاً فوج ہماری طاقتور اور ڈسپلنڈ ہو اور شاید ایک چیز (آپ میرا قصور معاف فرمائیں) کہ فوج میں یہ جذبہ نہ ہو کہ وہ موجودہ صدر جمہوریہ اور وزراء کو باہر نکالیں اور قبضہ کریں۔ ایسا جذبہ نہ ہو بلکہ مقصد اور ان کی تمنا اور ان کے وجود کی غرض وغایت صرف یہ ہو کہ ملک کو بیرونی واندرونی خطرات سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے لیے فوج میں ڈسپلن کی ضرورت ہوگی۔ فوج میں اسلحہ کی ضرورت ہوگی۔ اسلحہ کے بارے میں ایک تجربہ بتاتا ہے کہ اگر ہم خود وہ اسلحہ پیدا نہ کریں بلکہ باہر سے خریدیں تو وہ

کام نہیں دیتا۔مثال کے طور پر ایک واقعہ اتفاق سے میرے ذہن میں آیا کہ حیدرآباد (دکن) کی حکومت نے جب بھارت کے حملہ کا خدشہ محسوس کیا تو بہت رقم خرچ کی اور اسلحہ خریدا۔ اِٹلی، فرانس، اور جرمنی سے جو بھی لوگ اسلحہ فروخت کرنے پر آمادہ تھے، منہ مانگی قیمت دے کر ہم نے اسلحہ خریدا، لیکن جس وقت بھارت کا حملہ ہوا تو وہ اسلحہ کام نہیں آیا کیونکہ وہ خراب تھا۔ جنگ میں استعمال شدہ جو اسلحہ ردی تھا وہ ہمیں بیچا گیا تو جب تک اسلحہ ہم خود نہ بنائیں تو ہمیں یہ خدشہ ہوگا کہ شاید یہ اسلحہ ہمارے دوستوں کی طرف سے اتنا اچھا نہ ہو جیسے وہ خود استعمال کرتے ہیں۔

دوسری طرف جب ہمیں یہ احساس ہو کہ ہمارا ملک خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے وسائل رکھتا ہے تو اسکے لیے یقیناً ہم رعیت کے لوگوں کو کوئی جھجھک، کوئی تأمّل نہیں ہوگا کہ منہ مانگی رقم ٹیکس کے طور پر حکومت کو دیں تا کہ یہ ضرورتیں ہماری پوری کی جائیں۔ اسی طرح رعایا کی یہ خواہش ضرور ہوگی کہ ٹیکس کم از کم ہوں اور ان کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا ہوں لیکن اگر رعایا میں ڈسپلن ہے رعایا میں یہ احساس ہے کہ کون سی چیز درست ہے؟ اور ساتھ ہی کون سی چیز ممکن ہے؟ تو پھر بغیر کسی دشواری کے وہ وقت پر حکومت کی مدد کرتے ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضورﷺ کے زمانے میں قیصر روم نے مسلمانوں کے خلاف کچھ حرکتیں کیں اور رسول اکرمﷺ نے ایک فوج بھیجی جو غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں کوئی چالیس ہزار سپاہی تھے۔ اتنی بڑی فوج عہدِ نبویﷺ میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس کے ٹرانسپورٹس، اس کے لے جانے کے وسائل اور دیگر جنگی ضروریات کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور وہ اسلامی حکومت کے پاس نہ تھی۔ رسول اکرمﷺ نے اس زمانے میں منبر پر چڑھ کر اپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر بتایا کہ:

"ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے اس لیے تم چندے دو۔"

تین مثالیں میں دوں گا جس سے یہ معلوم ہو گا کہ حضورﷺ کی تربیت کے باعث اچھا مسلمان کون ہوتا ہے؟ حضورﷺ کے فرمان کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کھڑے ہوتے ہیں اور معلوم نہیں کہ آج کل کے حساب سے کتنے ملین روپیہ وہ پیش کرتے ہیں جو ان کی ثروت کے لحاظ سے شاید بڑی چیز نہ ہو یعنی انہوں نے اپنا سارا مال پیش نہیں کیا بلکہ ایک بہت بڑی رقم چالیس ہزار دینار یا کچھ اس طرح، رسول اکرمﷺ بے حد خوش ہوئے ہونا چاہیے تھا اور کہا کہ

''اے عثمان آج سے تم جو بھی کرو گے اللہ نے تمہیں معاف کر دیا۔''

اس کے فوراً ہی بعد حضرت عمرؓ اُٹھتے ہیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایک رقم پیش کرتے ہوئے کچھ فخر کرتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم دے رہا ہوں۔ دس ہزار درھم، اُن کے ذہن میں ایک بڑی رقم تھی۔

تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کتنی رقم ہے؟ کیا گھر میں تمہارے پاس کوئی مزید رقم ہے؟ یا کچھ اس طرح کی چیزیں ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے صورتِ حال بتائی۔ اس پر بھی رسول اکرم ﷺ بہت خوش ہوتے ہیں۔

اب تیسرا حصہ سنیے۔ ان دونوں کے بعد حضرت ابوبکرؓ آتے ہیں اور مجھے یاد نہیں کہ شاید پانچ سو درھم یا پانچ ہزار درھم کی رقم پیش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا رقم ہے؟ اور پھر یہ پوچھا کہ گھر میں کتنی رقم چھوڑی ہے تو ابوبکر نے جواب دیا کہ اور گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے سوا کوئی چیز نہیں۔ (۴)

ظاہر ہے عثمانؓ کے چالیس ہزار دینار ایک طرف اور یہ جملہ کہ پانچ ہزار درھم کی حقیر رقم کے سوا اس شخص کے گھر میں کوئی چیز نہیں۔

تو جو فرق ان مثالوں سے ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ مقدار کو ہم نہیں دیکھتے ہم دیکھتے ہیں اس کی کوانٹٹی اور اس کی کوالٹی کو کہ کس قسم کا ہے؟ کس ماحول میں ہے اور کس کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

یہ چند چیزیں میرے ذہن میں ہیں جو میں نے آپ سے عرض کیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اسلام اس سے ہمیں منع نہیں کرتا کہ غیر مسلموں کی اچھی چیزوں سے استفادہ کریں۔ اگر آپ نیوکلیئر بم بنانا چاہتے ہیں تو آج کل کے فرنگی ملکوں سے سیکھیں گے۔ غیر مسلم ممالک سے سیکھیں گے۔ پھر اسے اپنی طرف سے اور ترقی دیں گے۔ دوسری طرف میں کہہ سکتا ہوں کہ رعایا کی فلاح و بہبود کے متعلق غیر مسلم حکومتوں کو بھی انکار نہیں ہے وہ بھی یہی چاہتی ہیں چاہے ضمناً مختلف حکمران اپنی ذاتی نمائش کے لیے کوئی چیزیں کریں جیسا کہ ہم زیادہ تر فرانس میں دگول کے زمانے میں دیکھتے تھے کہ بہت سی ترقی ہوتی ہے لیکن اپنے نام و نمود کی خواہش بھی اس میں بہت ہوتی ہے۔ ہمارے حکمران اسلامی ممالک میں جو بھی کریں وہ اللہ کے لیے کریں۔ کیونکہ خدا عالم الغیب ہے جب ایک دن ہمارا حساب و کتاب ہوگا تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ تم نے کتنے ملین روپے سڑک کی آرائش کے لیے خرچ کیے۔ یہ دیکھے گا کہ اس سے پبلک کا

کیا فائدہ تھا؟ اور کس نیت اور کن وسائل کے ساتھ تم نے یہ کام انجام دیا۔

یہ چند چیزیں میرے ذہن میں آئیں اور میں نہیں سمجھتا کہ اس سے آپ کو تشفی ہوئی ہوگی۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جس کی خواہش ہر کسی کو ہوتی ہے۔ لیکن اس کے وسائل ہر کسی کے پاس نہیں ہوتے۔ چاہے وہ امریکہ جیسا مالدار ملک ہو یا وسطی افریقہ کے نہایت ہی مفلس ممالک سے متعلق ہو۔ ہر حکومت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کرے لیکن وہ اپنے وسائل کے لحاظ سے اس کو بَر لا سکتے ہیں۔ اگر ہم اصل بنیادی چیز پر توجہ کریں یعنی رعایا میں خدا کا ڈر، خدا کے ظلم کا نہیں (میں دوبارہ دہراتا ہوں) خدا کے انصاف کا ڈر، ہماری حکومت کے اعلیٰ ترین افسر، صدرِ جمہوریہ، وزراء وغیرہ اس جذبے کے مطابق عمل کریں تو اس کا اثر رعایا پر پڑے گا میں اس کو اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے ملک میں چاہے وہ پاکستان ہو یا دیگر اسلامی ممالک، رعایا کی خواہشیں بہت سی ہیں۔ لیکن افراد کے طور پر خود وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں امن ہو لیکن ہمیں موقع ملتا ہے تو ہم چوری بھی کرتے ہیں۔ ہم زنا بھی کرتے ہیں۔ دوسرے قسم کے ناجائز اور نامناسب کام بھی کرتے ہیں۔ اگر ہم رعایا کے ذہنوں میں پہلے ہی دن سے ماں باپ، اُستاد اور ماحول کی طرف سے یہ جذبہ داخل کر دیا جائے کہ مجھے خدا کی ناانصافی سے نہیں، خدا کے انصاف سے ڈرنا چاہیے۔ اس خدا سے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی جو ہمارے ظاہر نہ کردہ خیالات سے بھی واقف ہوتا ہے۔ جو ہمارے اقوال سے بھی واقف ہوتا ہے، ہمارے اعمال سے بھی واقف ہوتا ہے۔ جب یہ جذبہ عام ہو جائے گا تو وہی میرے نزدیک صحیح فلاحی مملکت ہے۔ فلاحی مملکت یہ نہیں کہ اس کے پاس مفت علاج کا انتظام کتنا ہے اور دیگر سہولتیں کیا ہیں۔

سوال: موجودہ زکوٰۃ کا نظام جس کے تحت بنکوں سے زکوٰۃ جبراً کاٹی جاتی ہے، اس سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیجیے اور زکوٰۃ خرچ کرنے کے موضوع پر بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ نیز کیا زکوٰۃ فلاحی کاموں میں بھی استعمال کی جاسکتی ہے جیسے کہ ایدھی فاؤنڈیشن وغیرہ ہے۔؟

جواب: سوال اہم ہے اور ظاہر ہے کہ چند لمحوں میں اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ بہرحال زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں میں دو چیزیں ہیں:۔

ایک تو یہ کہ شریعت نے ایک کم ترین مقدار مقرر کی ہے جس سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ لی جائے۔

دوسری چیز جو بنیادی ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں بلکہ غیر استعمال شدہ رقم کا ہمارے پاس ایک سال تک بغیر استعمال کے رہنے کی صورت میں زکوٰۃ ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں اگر مجھے ایک لاکھ روپے آمدنی ہوتی ہے لیکن میرے اخراجات بھی ایک لاکھ روپے ہیں تو مجھ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اسی طرح مثلاً فرض کیجیے کہ پانچ سو روپے پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ وہ پانچ سو روپے میرے پاس ایک سال تک فالتو رقم کی طرح رہیں اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ ہو تو اس پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ جہاں تک موجودہ بنکوں کا نظام ہے تو مجھے یہاں کے نظامِ زکوٰۃ سے واقفیت بالکل نہیں۔ ممکن ہے کہ اس نظام میں ان دونوں اجزاء کا لحاظ رکھا گیا ہو، وہ یہ کہ رکھی جانے والی ہر رقم سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جاتی اور یہ کہ وہ آمدنی پر نہیں بلکہ ایک سال تک غیر مستعمل رہنے کی حالت ہو تو اس سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔

دوسری چیز جو سوال میں بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے متعلق قرآنی احکام۔ قرآن میں آٹھ مدوں پر زکوٰۃ کو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَ الْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ﴾ (۵)

''حقیقت یہ ہے کہ صداقات، فقراء، مساکین اور جو مامور ہوں صدقات کے کام پر اور جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں۔''

مصارفِ زکوٰۃ سے متعلق قرآن مجید میں حکم ہے اس میں آٹھ مدوں کا ذکر ہے کہ اس پر خرچ کی جائے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی ہے غیر مسلم رعیت سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی لیکن اخراجات

غیر مسلموں پر بھی ہوتے ہیں ۔حضرت عمرؓ کے زمانے کی مشہور مثال ہے کہ ایک دن مدینے میں ایک یہودی بھیک مانگ رہا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ تم کیوں بھیک مانگ رہے ہو تو اُس نے جواب دیا کہ مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے اور رقم میرے پاس نہیں ہے لہذا مجبور ہو کر بھیک مانگتا ہوں ۔حضرت عمرؓ نے نہ صرف فوراًیہ احکام دیئے کہ ان غیر مسلموں سے جزیہ نہ لیا جن کی یہ حالت ہے ۔اس حکم پر ہی آپ نے اکتفاء نہیں کیا بلکہ اُسی وقت خادم سے کہہ کر کچھ رقم منگوائی اور اُس یہودی کو دی ۔یہ رقم مسلمانوں کی زکوٰۃ کی تھی اور حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ تھے کہ:

'' هذا من مساكين اهل الكتاب ''(٦)

''یعنی یہ غیر مسلموں کے مسکینوں میں سے ہے لہذا اس کی مدد کرنی چاہیے''۔

خود قرآن میں آٹھ کی جولسٹ دی ہے اُس میں اتنی گنجائش ہے کہ شاید اُس سے زیادہ کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ بہر حال فلاحی کاموں میں زکوٰۃ یقیناً خرچ ہو سکتی ہے۔خود قرآن میں آٹھ کی جولسٹ ہے اس میں اتنی گنجائش ہے کہ شاید اُس سے زیادہ کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المائدۃ:۲۔

۲۔ البخاری،محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،باب ''الیوم اکملت لکم دینکم'' باب رقم۱۰۹: حدیث رقم ۴۳۳۰۔

۳۔ البخاری،کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل ،حدیث رقم ۶۴۶۷،مزید ملاحظہ ہو،مسند احمد عن ابی هریرة،ج:۲ص:۲۳۵(حدیث کے الفاظ یہ ہیں:عن عائشة ، عن النبی ﷺ قال :

'' سَدِّدُوا وقاربوا وابشروا ، فانه لا یُد خل احداً الجنة عمله قالوا ! ولا انت یا رسول الله ؟ قال :

''ولاأنا ، إلا أن یتغمدنی الله ، بمغفرةٍ ورحمةٍ''۔

۴۔ واقدی،محمد بن عمر بن واقد،المغازی،موسستہ الاعلی للمطبوعات، بیروت،ج ۳ص،۹۹۰۔۹۱۔

۵۔ التوبۃ:۶۰۔

۶۔ ابوعبید،القاسم بن سلام،کتاب الاموال،فقرہ نمبر،۱۱۹۔

7

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے مکاتیب

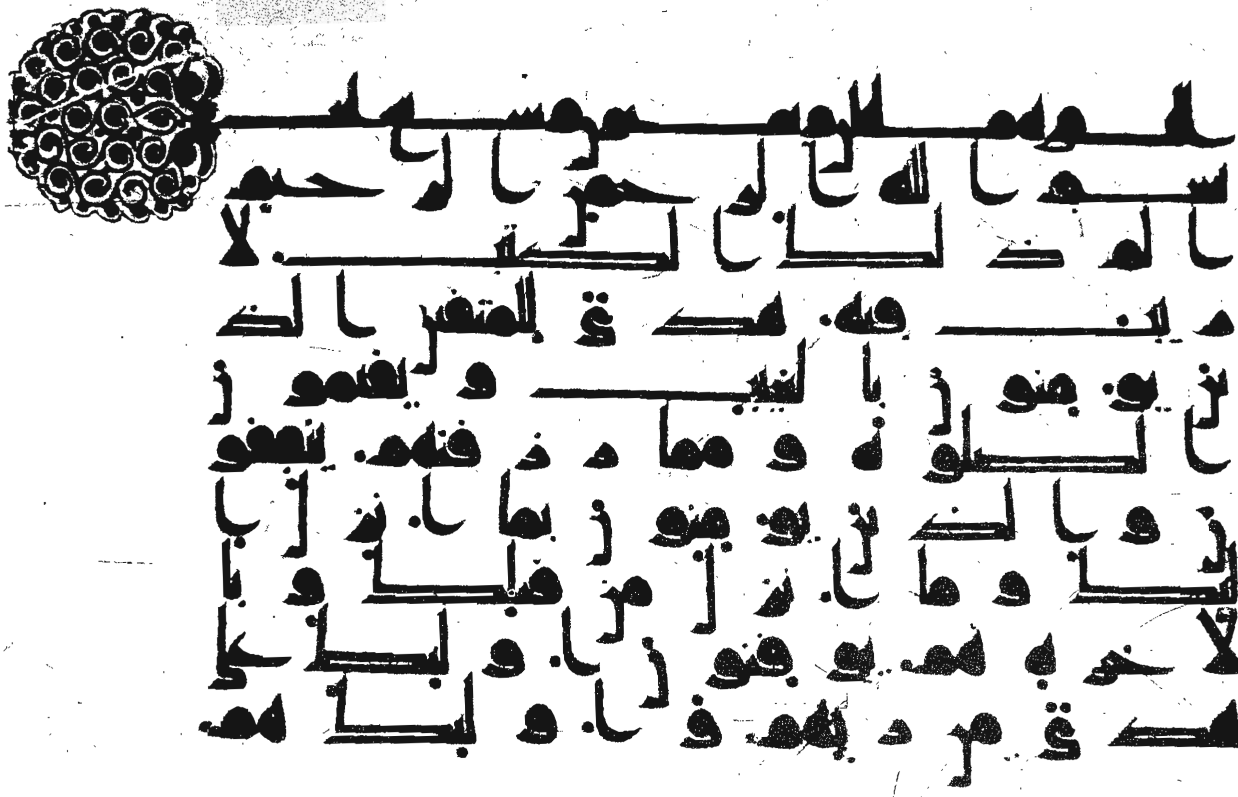

چوتھی صدی ہجری کا کتابت شدہ، قرآن کریم کا ایک صفحہ (سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات)